

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اشارات

غیر ملکی اقتدار کے ہٹنے کے بعد اولین سوال جو کسی قوم کے سامنے آجاتا ہے، وہ یہ ہوتا ہے کہ اب زندگی کی تعمیر نو کس نظریے اور نقشے پر ہو؟ آزادی کی صبح اگر اپنے ساتھ کوئی ایسی حکمران قوت لے کے آتی ہے جو خود اپنا کوئی نظریہ و اصول رکھتی ہو، کسی فلسفہ و نظام پر اس کا ایمان مضبوط ہو، اس کے بارے میں ساہا سال سے وہ مطالعہ و تفکر کرتی چلی آئی ہو، اپنے نظریہ و نظام کے لیے قربانیاں دے دے کر اس نے عوام کا اعتماد حاصل کر لیا ہو، اس کے تعاضدوں کے مطابق جمہور کی تنظیم، تعلیم اور تربیت کی ہو، اسے سامنے رکھ کر تبدیلی کا کوئی نقشہ مرتب کیا ہو، پھر اس میں اپنے پروگرام کے لیے اتنا دلولہ اور اتنی تڑپ موجود ہو کہ وہ مذہب اور مآثر میں ایک پل بھی ضائع کیے بغیر اپنے مقصود تک جا پہنچنے کے لیے سرتوڑ کوشش کرے اور مشکلات اور مواعظ کا مقابلہ کرے، اس میں اتنی جرات موجود ہو کہ وہ دنیا کی کسی طاقت سے مرعوب ہوئے بغیر اور ایک ایک قدم اٹھاتے ہوئے احساس کہتری کی نگاہ سے بین الاقوامی فضا کے تیور دیکھے بغیر اپنے سوچے سمجھے راستے پر گامزن ہو جائے تو نہ دستور کے بننے میں تاخیر ہوتی ہے، نہ تعمیر معاشرہ کا کام سالوں کے لیے تعطل میں رہ سکتا ہے اور نہ تبدیلی کے راستے میں جمود کی چٹانیں حائل ہو سکتی ہیں۔ رہنما پہلے منزل متعین کر چکے ہوں، قبالہ پہلے سے اقدام کرنے کے لیے پوری طرح تیار ہو تو آزادی کا جبرس بچتے ہی اقدام شروع ہو جاتا ہے۔

لیکن ہمارے یہاں صورت حال بالکل الٹی ہے۔ یہاں قوم تو وہ بستی ہے جو اپنی فکری و عملی دستیوں کے لحاظ سے چاہے کیسی ہی تاریک گہرائیوں میں جا گری ہو، اسلام کی آئیڈیالوجی اور اسلام کے نظام

زندگی سے ذہنی و اعتقادی وابستگی رکھتی ہے اور زندگی کو اسلام ہی کے سانچے میں ڈھلنے کے لیے وہ تحریک پاکستان کے لیے قربانیاں دے کر آزادی کے مقام پر پہنچی ہے۔ بد قسمتی سے اس کے اجتماعی بناؤ اور بگاڑ کے سارے اختیارات اور اس کی نمائندگی کے مناصب مسلم لیگ کی جس حکمران طاقت کے قبضے میں ہیں، اُس کا حال یہ ہے کہ اول تو وہ سرے سے کوئی نظریہ و نظام اور تعمیر معاشرہ کا کوئی مستقل پروگرام اپنے پیش نظر رکھتی ہی نہیں، اور اگر اس کا پروگرام کوئی ہے تو وہ بہر حال اسلام کے نظریہ و نظام سے جدا کوئی چیز ہے۔ اسلام پر، جہاں تک اس کے اعمال اور اس کی کارگزاریاں شہادت دہی میں وہ کم سے کم درجے کا ایمان و علم بھی نہیں رکھتی۔ حد سے حد اگر وہ اسلام کو جانتی یا مانتی ہے تو ایک انفرادی مت اور دھرم کی حیثیت سے جانتی اور مانتی ہے۔ لیکن اگر پورا استدلال صحت کے کوئی اس سے یہ منوا بھی لے کہ اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے تو وہ اس کا مجبوراً نہ اعتراف کرنے کے بعد یہ تسلیم کرنے پر ہرگز تیار نہیں ہوتی کہ یہ نظام موجودہ دور کے حالات میں بھی چلنے اور کوئی بہتر نتائج دکھانے اور ترقی کا وسیلہ بننے کے قابل ہے۔ پھر اگر اس پر بھی تامل متحول کر لیا جائے تو ہر قدم پر غدر و غدر، مشکل در مشکل اور سوال در سوال پیش کر کے زچ کر دینے کے لیے پوچھتی ہے کہ ہمیں بتاؤ کہ اس چیز کا اور اس چیز کا اور اس چیز کا اہل کیا ہے۔ پھر اگر یہ حل بھی بتا دیا جاتا ہے تو پھر وہ یہ سوال لے کے سامنے آجاتی ہے کہ اگر اسلام کو ہم اختیار کر لیں تو فلاں پڑوسی قوم کو اور فلاں مغربی طاقت کو کیسے راضی اور مطمئن کیا جاسکتا ہے پھر جب استدلال کی بازی وہ پوری طرح ہرکتی ہے تو پروڈیگنڈے کے ہتھیار لے کر میدان میں اترتی ہے پھر جب یہ مرحلہ بھی طے ہو چکتا ہے تو سازشی طریقے اختیار کرتی ہے۔ پھر جب یہ طریقے بھی کارگر نہیں ہوتے تو تشدد کے لیے مستبدانہ اختیارات اور اندھے قوانین کے اسلحہ خانہ سے مدد لیتی ہے۔ آخر جب کوئی چارہ کار نہیں رہتا تو وہ کسی مطالبہ کو مان کر دستور سازی کا ایک قدم اور آگے بڑھاتی ہے، لیکن چونکہ وہ ہر قدم اپنے ایمان کے تقاضے سے نہیں، عوامی مطالبے کے دباؤ سے آگے بڑھاتی ہے اس لیے مطالبہ مان لینے کے بعد پھر فراری ذہنیت سے کام لے کر ایسے چور و دانسے رکھنے کی کوشش کرتی ہے جو اسلام سے انحراف کرنے کے لیے بوقت ضرورت کام دیں۔

ایسے حالات میں جماعت اسلامی کی رہنمائی میں عوام جو دستوری جدوجہد کر رہے ہیں وہ تاریخ میں ایک انوکھے تجربے کی حیثیت رکھتی ہے یعنی اختیارات نمائندگی جن لوگوں کے قابو میں آگئے ہیں وہ سیکولرزم کی صہبا کے سرمست ہیں اور ان کے سینوں میں مصطفیٰ کمال بننے کے ارمان برابر چٹکیاں بیٹے رہتے ہیں، لیکن "راٹے عام" ان کے غرائم کا ساتھ دینے پر ایک سیکنڈ کے لیے بھی تیار نہیں ہوئی۔ دوسری طرف جماعت اسلامی ہے جو اگرچہ قوم کے مناصب نمائندگی اور اختیارات کی طاقت سے محروم ہے لیکن جس نظریہ و نظام کو وہ پیش کر رہی ہے، "راٹے عام" اس کے ساتھ پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ گویا حکمران طاقت کا رخ مغرب کی طرف ہے تو "راٹے عام" کا رخ مشرق کی طرف! دونوں میں کشمکش ناگزیر ہے۔ ایسے حالات میں ہونا یہ چاہیے تھا کہ حکمران اور نمائندہ طاقت یا تو دلائل کے زور سے "راٹے عام" کو مطمئن کر لے جاتی، یا پھر عوام کے مطالبے کی معقولیت کو مانتی اور ان کے پسندیدہ نظریہ و نظام کی حقانیت پر صدق دل سے ایمان لا کر اپنی روش کو بدل لیتی۔ اور نہ تیسری راہ پھر صرف یہ رہ جاتی ہے کہ اکثریت سے بنیادی اختلافات رکھنے کی وجہ سے مستعفی ہو جاتی۔ افسوس ہے کہ دنیا بھر کی اس سلسلہ جمہوری روایت کو بالکل ترک کر دیا گیا ہے۔ اب ہو یہ رہا ہے کہ "راٹے عام" کی طاقت سے جماعت اسلامی دباؤ ڈالتی جاتی ہے اور حکمران اور نمائندہ طاقت چاروناچار دستور سازی کے راستے پر ایک ایک قدم اسلام کی طرف اٹھاتی جاتی ہے۔

اس سیاسی آنکھ چھجولی کے ذریعے گذشتہ سال کے عرصے میں جو کام ہوا ہے اس کے نتائج کا ہم جائزہ لیتے ہیں تو وہ بہت ہی حوصلہ افزا نظر آتے ہیں۔ دستوری رپورٹ کا جو حصہ پاس ہو چکا ہے وہ بحیثیت مجموعی اس بات پر گواہ ہے کہ اس ملک میں اسلام کو چاہنے والے عناصر نے لادیمیت کو پسند کرنے والے عناصر کے مقابلے میں بڑی نمایاں فتح پائی ہے۔ اور یہ نمایاں فتح خالص دستوری اور آئینی جدوجہد کے ذریعے حاصل ہوئی ہے، درآخالیکہ ہمارے ملک میں جمہوری قدیں بڑی طرح پامال ہوتی رہی ہیں اور شہری آزادیوں کا گلاب بالکل گھونٹ دیا گیا ہے! اس مملکت میں اب گویا اسلامی نظام زندگی کی نیوٹرگٹی ہے۔

اس کامیابی کا سہرا تنہا جماعت اسلامی کے سر نہیں، بلکہ اس مہم میں جن مختلف تنظیموں اور مختلف افراد نے عوام کی تماشوں اور جذبوں کا ساتھ دیا ہے وہ سب اس کامیابی کے کریڈٹ میں حصہ دار ہیں۔ اور اس کامیابی کا اصل کریڈٹ وہ ہے جو کسی کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاصل ہو۔

دستوری رپورٹ کے پاس شدہ حصے کے وہ قابل قدر خدو خال جن کے ذریعے اسلامی تعلقے پورے ہوتے ہیں حسب ذیل ہیں :-

(۱) قرارداد مقاصد کو فاتحہ دستور کی حیثیت میں دفعہ اول بنایا گیا ہے۔ یہ دفعہ گویا ریاست پاکستان کے نظریہ زندگی (IDEOLOGY) کی ترجمان ہے اور سارا دستور اسی کی روشنی میں دیکھا جائے گا۔ ایک اصولی و نظریاتی ریاست کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ اس کا بنیادی اصول و نظریہ واضح اور متعین شکل میں اس کے پیش نظر ہے اور اس کے کارکنوں اور شہریوں کے لیے مشعل ہدایت بنے۔

(۲) دفعہ ۲ میں ریاست کی پالیسی کے لیے جو اصول ہدایت (DIRECTIVE PRINCIPALS) قرار دیے گئے ہیں وہ قرارداد مقاصد کے پیش کردہ نظریہ اساسی ہی کی صراحت ہیں اور ان اصول ہدایت میں اسلام کے نمایاں تقاضوں کو جذب کر لیا گیا ہے۔ بلاشبہ اصول ہدایت کی بنا پر عدالت میں حکومت کے کسی اقدام کو چیلنج نہیں کیا جاسکتا، لیکن اتنا بہر حال واضح ہے کہ حکومت عوام کے سامنے اس بات کی پابند ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے ہر اقدام اور ہر پالیسی کو ان اصول ہدایت پر استوار کرے اور عوام کے سامنے ان اصول ہدایت کی بنیاد ہی پر جواب دے، علاوہ بریں دستور کا کوئی جزو بھی اگر عدالت میں زیر بحث آئے تو اس کی تعبیر کرتے ہوئے ان اصول ہدایت کی روشنی میں دیکھی جاسکتی ہے۔ ان اصول ہدایت میں جو کچھ طے پایا ہے یہ ہے :-

— یہ بات طے کر دی گئی کہ ریاست کی ہر پالیسی اور ہر سرگرمی قرارداد مقاصد کے بیان کردہ اصولوں کے تابع رکھی جائے گی یعنی ہمارے ملک کے اکابر، وزراء، نمائندے اور عہدہ دار ہر فیصلہ یا اقدام کرتے ہوئے از روئے دستور اس کے پابند ہونگے کہ خدا کو حاکم (SOVERIGN) مان کر،

اس کی شریعت کو اپنے لئے قانون تسلیم کر کے، حکمرانی کے اختیارات کو مقدس امانت مان کر، جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور عدل اجتماعی کے اسلامی تصورات کو ملحوظ رکھ کر اور اس بات کا خاص خیال رکھتے ہوئے کہ مسلمانوں کو اسلامی زندگی بسر کرنے کے قابل بنایا جاتا ہے، سوچ بچار کریں اور کسی معاملے میں رائے قائم کریں۔ وہ اپنے فیصلوں اور اقدامات میں اسی اصول ہدایت کی بنیاد پر لوگوں کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔

— یہ بات بھی طے کر دی گئی ہے کہ عین حکومتی سرگرمیوں کے ذریعے ایسی مختلف تدابیر اختیار کی جائیں گی جن کے ذریعے مسلمان اپنی زندگیاں انفرادی اور اجتماعی طور پر قرآن و سنت کے مطابق ڈھالنے کے قابل ہو جائیں۔ ان تدابیر میں سے بعض کی صراحت خاص طور پر کر دی گئی ہے یعنی (۱) قرآن و سنت کی لازمی تعلیم کا انتظام (ب) شراب خواری، قمار بازی اور زنا کاری کی ہر شکل کا سدباب (ج) ربوہ کی حرمت (د) عوام میں اسلامی اخلاق کا فروغ، اور (س) زکوٰۃ، اوقاف اور مساجد کی معقول تنظیم؛ اس فیصلے کی رو سے حکومت ذمہ دار ہو گئی ہے کہ وہ اسلامی زندگی کی تعمیر اور بحالی کے لیے دین کی تعلیم کا بندوبست بھی کرے، دینی اداروں کو منظم بھی کرے، منکرات و فواحش کا خاتمہ بھی کرے اور اسلامی اخلاق کی تربیت کے مختلف وسائل بھی اختیار کرے۔ اس کے لیے یہ جائز نہیں رہا کہ وہ کوئی ایسا قدم اٹھائے یا کسی ایسی سرگرمی کی روادار ہو جس کی وجہ سے مسلمانوں کو کسی بھی شعبہ زندگی میں اسلام سے انحراف کرنا پڑے یا اسلام کے کسی مطالبے کو پورا کرنے میں خلل واقع ہوتا ہو۔ اب کسی بھی چیز کو قائم کرنے یا مٹانے میں حکومت اور اس کے اکابر اور اس کے کارکنوں کو عوام کے سامنے یہ ثابت کرنا ہو گا کہ یہ چیز اسلامی زندگی کے لیے ضروری ہے، یا کم از کم اس کے لیے ہارج نہیں ہے۔

گویا یہ اصول ہدایت ایک نیا معیارِ خیر و شر فراہم کرتا ہے۔

— یہ بات بھی طے کر دی گئی ہے کہ موجودہ قوانین کو کتاب و سنت کے مطابق ڈھلنے کے لیے، اور کتاب و سنت کے قانونی اوامر و نواہی کو قانون کا جامہ پہنانے کے لیے مناسب عملی اقدامات کیے جائیں گے۔

اس فیصلے کی رو سے حکومت کو موجودہ غیر اسلامی قوانین کو بدلنے کے لیے باقاعدہ عملی کام کرنا ہوگا اور اس عملی کام کی نوعیت اور رفتار کا محاسبہ عوام کریں گے کہ یہ ٹھیک اور مناسب طریقے سے ہو رہا ہے یا نہیں!

— یہ بات بھی طے کر دی گئی ہے کہ جو لوگ کسی عارضی یا مستقل وجہ سے معاشی طور پر معذور ہو جائیں ان کے لیے بلا امتیاز مذہب و نسل، بنیادی ضروریات — غذا، لباس، مکان، تعلیم اور معالجے — کی کفالت کا اہتمام حکومت کرے گی۔

گویا اب نئے دستور کے نفاذ سے اس مملکت میں اسلامی معاشرہ کی وہ فضا پیدا کی جائے گی جس میں ہر فرد جو معذور ہو گیا ہو اس کا یہ حق حکومت پر عاید ہوگا کہ اسے سہارا بہم پہنچایا جائے جو حکومت یہ حق ادا نہ کر سکے گی وہ عوام کا اعتماد کھودے گی۔

— یہ بات بھی طے کر دی گئی ہے کہ ریاست کی اقتصادی پالیسی اس طرح مرتب کی جائیگی کہ مذہب، نسل اور رنگ کے امتیاز کے بغیر تمام لوگوں کے لیے عام خوش حالی پیدا ہو اور اس مقصد کے لیے (۱) عام شہری کامیاب زندگی بلند کیا جائے گا، (ب) دولت اور ذرائع پیداوار کو چند افراد کے لیے مرکوز ہو جانے اور عام لوگوں کے محروم رہ جانے کے خطرے کا سدباب کیا جائے گا، (ج) مزدوروں اور مزدوروں کے حقوق کو ناجائز ارتفاع سے محفوظ کیا جائے گا۔

اس میں شک نہیں کہ اس اصول ہدایت میں چند ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں جو مطلوب ہیں لیکن ان کے لیے کوئی فارمولہ مرتب نہیں کیا گیا، تاہم اس اصول کی بنیاد پر اقتصادی معاملات میں حکومت کے فیصلوں اور اقدامات پر تنقید و محاسبہ کیا جاسکتا ہے اور جہاں کہیں اسلامی تقاضوں سے انحراف اور موجودہ سرمایہ دارانہ نظام کا نتیجہ پایا جائے وہاں گرفت کی جاسکتی ہے۔ یہ تو بہر حال عوام دیکھیں گے کہ ان کی حکومت نے خوش حالی کو عام کرنے، عوام کے معیار کو بلند کرنے، دولت اور ذرائع پیداوار کو ارتکاز سے دو کٹنے اور مزدوروں اور مزدوروں کے حقوق کو ناجائز ارتفاع سے پچلانے کے لیے کیا کیا اور کیا نہیں کر رہی۔

— یہ بات بھی طے کر دی گئی کہ ملک کو جہالت سے نکلانے کے لیے حکومت سرگرمی

دکھائے گی اور ۵ سال کے اندر اندر پوسٹے شہریوں کے لیے مفت لازمی تعلیم کا انتظام کر دیگی۔

۵ سال کی مدت اگرچہ بہت زیادہ رکھی گئی ہے اور نئے نظریوں پر کام کرنے والی ریاستوں میں تعلیمی سرگرمی کی رفتار اتنی سست کبھی نہیں ہوا کرتی، لیکن اگر مختص اور محنتی لوگوں کو کام کرنے کا موقع مل جائے تو وہ اس رفتار کو متنا تیز کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔

— یہ بات بھی طے کر دی گئی ہے کہ ریاست کی پوری کوشش یہ ہوگی کہ وہ مملکت

کے مختلف حصوں کی آبادی کو تعلیم و تربیت کے ذریعے کم سے کم مدت میں تمام قومی سرگرمیوں اور دفاع اور دوسری خدمات میں پورا پورا حصہ ادا کرنے کے قابل بنا دے۔

ایک اصولی اسلامی ریاست اس کے بغیر ٹھیک طور پر کام کر ہی نہیں سکتی کہ ہر شہری معاملات کا شعور رکھتا ہو، اجتماعی سرگرمیوں میں دلچسپی لے، مملکت کے دفاع کے لیے ہمہ وقت تیار ہو اور ریاست کی اہم خدمات بجالانے کی قابلیت پیدا کرے۔ آج بعض صوبوں کے لوگ جس طرح سپانڈہ ہیں، یہ حالت برقرار نہیں رکھی جاسکتی۔

— یہ بات بھی طے کر دی گئی ہے کہ ریاست ملاقائی، نسلی اور لسانی اور دوسرے

غیر اسلامی تعصبات کو دبائے گی اور مسلمانانِ پاکستان کے اندر ملت کے وحدت و استحکام، اس کے نظریہ اساسی کے مقتضیات اور اس کے نصب العین کو جس کی خاطر پاکستان حاصل کیا گیا ہے، ملحوظ رکھنے کا جذبہ بیدار کرے گی۔

اس اصول کے ذریعے لازم ٹھہرا، کہ حکومت اس نظریہ اساسی اور اس نصب العین کو دلوں میں راسخ کرنے کی تدابیر اختیار کرے اور یہ احساس تازہ رکھے کہ پاکستان کا عین وجود اسی نظریہ و نصب العین پر استوار ہے۔

— یہ بات بھی طے کر دی گئی ہے کہ صرف ایسے فرد کو صدر ریاست مقرر کیا جائیگا

جو رائے و ہندکان کی نگاہ میں قابلیت، اعلیٰ سیرت، دیانت و امانت اور صلاحیت کے اوصاف سے

آراستہ ہو اور جو اپنے فرائض اور ذمہ داریاں قرار داد مقاصد کے عین مطابق سرانجام دینے کا اہل ہو۔
یہ اصول ہدایت باشندگان ریاست کو رہنمائی دیتا ہے کہ وہ صد ریاست کو انتخاب کرتے ہوئے
اسلامی معیار انتخاب کو سامنے رکھیں اس اصول سے ضمناً خود بخود عام انتخابات کے لیے بھی رہنمائی ملتی
ہے کہ اب پاکستان کی ریاست کو اسلامی خطوط پر چلانے کے لیے کیسے آدمیوں کی ضرورت ہوگی۔
— یہ بات بھی طے کر دی گئی ہے کہ ریاست کی کوشش یہ ہوگی کہ عدلیہ کو تین سال کے اندر
اندرا تنظیم سے پوری طرح الگ کر دیا جائے۔

اسلامی نظام چونکہ "قانون کے راج" (RULE OF LAW) کے اصول پر چلتا ہے اس لیے
اس نظام کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ عدلیہ انتظامیہ کی مداخلت سے پوری طرح آزاد ہو۔ حکومت اس
تقلصے کو مدت متعین میں ٹوہا کرنے کی ذمہ دار ہوگی۔
— یہ بات بھی طے کر دی گئی ہے کہ ریاست غیر مسلم فرقوں کے واجبی حقوق اور مفادات
کا تحفظ کرے گی۔

کتاب وسنت کے دستوری قانون کی رو سے غیر مسلموں کو جان، مال اور آبرو کے تحفظ، اپنے پرستار
کے مطابق فیصلے حاصل کرنے، اور اپنے مذہب پر عمل پیرا ہونے کے جو مستقل حقوق حاصل ہیں ان کے
لیے پورا پورا تحفظ ہم پہنچانے بغیر کوئی نظام صحیح معنوں میں اسلامی نظام نہیں ہو سکتا۔ پس یہ رہنما اصول بڑی
اہمیت رکھتا ہے اور اگر حکومت کے ہاتھوں غیر مسلموں کا کوئی حق پاکستان میں پامال ہو گا تو اسی اصول
کی بنا پر خود مسلم اکثریت ان سے جواب طلب کرے گی۔

— یہ بات بھی طے کر دی گئی ہے کہ سرکاری وغیر سرکاری ملازمین اور اچھروں کو لازمی
سوشل انشورنس اور دوسری ضروری تدابیر سے اجتماعی تحفظ فراہم کیا جائے گا۔

— یہ بات بھی طے کر دی گئی ہے کہ ریاست شہریوں کے کام کرنے کے حق، زندگی
بسر کرنے کے مناسب ذرائع کے حصول کے حق اور آرام اور تفریح کے حق کا تحفظ کرے گی۔ وہ محنت کاروں
کے لیے انسانی معیار کے موزوں حالات اور زچگی کے لیے ضروری رعایات کو قانون سازی کے ذریعے

بحال کیسے گی۔

یہ بات بھی طے کر دی گئی ہے کہ مختلف درجوں کے ملازمین کی تنخواہوں کے معیار پر نظر ثانی کر کے بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی تنخواہوں کے تفاوت کا تناسب کم سے کم حد تک گھٹا دیا جائیگا۔

یہ بھی ضروری اصلاحات اور تحفظات ہیں، اور ان کے بارے میں بھی عوام حکومت سے عملی اقدامات کا تقاضا بھی کریں گے اور جو جو قدم اٹھایا جائے گا اس کا محاسبہ بھی کریں گے۔

یہ رہنا اصول ہمارے پورے دستور کی روح و رواں ہونگے اور حکومت کے فیصلے، اقدامات اور منصوبے ان کی روشنی میں عمل میں آئیں گے۔ یہ محض اس وجہ سے ایک شے بیکار نہیں بن جاتے کہ ان کی وسعت مفہوم کو نفاذی دفعات (OPERATIVE CLAUSES) میں نہیں ڈھالا جاسکتا۔

(۳) دفعہ ۳ میں صاف صاف طریقے سے قبول کر لیا گیا ہے کہ :-

کوئی مجلس قانون ساز ایسا کوئی قانون پاس نہ کرے گی جو قرآن و سنت کے خلاف پڑتا ہو؛ لیکن اگر ایسا کوئی قانون پاس کر دیا جس کا کوئی جزو قرآن و سنت سے ٹکراتا ہو تو دفعہ ۴ سپریم کورٹ کو یہ اختیار دیتی ہے کہ وہ کسی قانون کے بارے میں یہ فیصلہ دے کہ وہ قرآن و سنت کے خلاف ہے یا نہیں؟

اور سپریم کورٹ میں کسی قانون کو زیر بحث لانے کے لیے دفعہ ۵ کے ذریعے ہر شہری کو یہ عام حق دیا گیا ہے کہ وہ کسی قانون کی صحت کو کتاب و سنت کے خلاف پڑنے کی بنیاد پر چیلنج کر سکتا ہے۔ دفعہ ۶ کے تحت اس خاص بنیاد پر قانون کو چیلنج کرنے کی مہیا و قانون کی منظوری کے تین ماہ بعد تک وسیع رکھی گئی ہے۔

دفعہ ۷ میں قرار دیا گیا ہے کہ کم سے کم پانچ ججوں پر مشتمل نل بنچ ایسے معاملات میں سماعت کرے گا اور ججوں کی اکثریت کا فیصلہ فیصلہ ہوگا۔

دستور کے نفاذی حصے میں یہ پورا باب نہایت اہم ہے۔ اس باب میں یہ اصول تسلیم کر لیا گیا ہے کہ قانون سازی بہر حال کتاب و سنت کے حدود میں ہو سکتی ہے۔ ان حدود کو توڑا جائے تو ہر شہری کو حق دیا گیا ہے کہ وہ سپریم کورٹ کے ذریعے گرفت کر سکے۔ اور اگر کسی قانون سازی کا کتاب و سنت کے خلاف ہونا ثابت ہو جائے تو سپریم کورٹ کا فیصلہ اسے کالعدم کر دے گا۔ اس مسئلے میں جو چور دروازہ رکھا گیا ہے اس پر ہم آگے گفتگو کریں گے، یہاں ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اصولاً قانون کے لیے کتاب و سنت کا معیار تسلیم کر لیا جانا ایک نمایاں کامیابی ہے۔

(۴) دفعہ ۸ کی رو سے حکومت ایک ایسا ادارہ وجود میں لائے گی جو "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرے، اور مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات سے آراستہ کرے۔" اس دفعہ کے ذریعے درحقیقت قرارداد مقاصد اور رہنما اصولوں میں شامل شدہ ایک اہم تقاضے کو نفاذی حیثیت دی گئی ہے۔ اس طرح کے ادارے کے ذریعے حکومت عوام کو اسلام کی جن تعلیمات و ہدایات کی تلقین کرے گی، اگر خود حکومت کے نظم و نسق اور اس کے کارکنوں کی زندگیوں میں ان کی خلاف ورزی پائی جائے گی تو یہ تضاد ایسا نہ ہو گا جیسے قائم رکھ کر عوام کا اعتماد حاصل کیا جاسکے اس طرح اس ادارے سے دو گونہ فوائد حاصل ہونگے، ایک یہ کہ عوام خود اسلام کو جانیں اور اصلاح پذیر ہوں، دوسرے حکومت اور اس کے کارکنوں کو اسی ادارے کی دی ہوئی تعلیمات کے معیار پر پرکھیں (۵) دفعہ ۹ کے ذریعے مملکت پاکستان کو "جمہوریہ اسلامیہ پاکستان" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

یظاہر یہ سمیہ ایک معمولی چیز نظر آتی ہے، لیکن درحقیقت اس کی معنویت بڑا اہم ذہنی اثر رکھتی ہے۔ یہ نام پاکستان کے نظام زندگی کی امتیازی نوعیت کا ترجمان ہے۔ یہ نام بول بول کر کہہ رہا ہے کہ پاکستان کا وجود ایک اسلامی نظام سیاست و تمدن برپا کرنے کے لیے وقف ہے اور اس میں جمہوریت کو ان اصولوں پر استوار کیا جائے گا جو اسلام نے دیئے ہیں۔ یہاں خدا کی حاکمیت

کے تحت امانتی اقتدار کو تمام باشندگان ملک کے مشورے سے استعمال کیا جائے گا۔ دستور نو کے نفاذ کے بعد اگر حکومت کی روش کہیں بھی اسلامی جمہوریت سے انحراف کرے گی تو خود یہ نام پکار اٹھے گا کہ یہ تضاد قابل برداشت نہیں ہے۔

(۵) دفعہ ۱۳ لازم قرار دیتی ہے کہ صدر ریاست کے عہدے کے لیے کسی مسلم ہی کو منتخب کیا جا سکتا ہے۔

اس فیصلے میں ہماری آئیڈیالوجی کا رفرما ہے، یعنی ایک اصول و نظریاتی ریاست کی سربراہ کاری پر حال کسی ایسے ہی شہری کو سونپی جا سکتی ہے جو اس کے اصول و نظریہ پر ایمان رکھتا ہو۔

(۶) مختلف دفعات کے تحت صدر ریاست، واحدہ جات کے مسلم صدروں، تمام مسلم وزراء اور مرکزی اور صوبائی ایوانوں کے تمام مسلم ارکان کے لیے جو حلف تجویز کیا گیا ہے وہ ان پر نہ صرف دستور قانون کی پابندی لازم ٹھہرتا ہے بلکہ یہ تناصتا بھی کرتا ہے کہ وہ ان تمام فرائض اور ذمہ داریوں کو ادا کریں جو اسلام کی طرف سے ان پر عاید ہوتی ہیں۔

یہ حلف کسی صدر یا وزیر یا رکن ایوان کے انتخاب میں رائے دینے والوں کے جواب میں وہ عہد استوار کرتا ہے جس سے اسلامی تصورِ سعیت کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ یعنی جمہور مسلمین کے سامنے ان کے عہدہ دار اور نمائندے تمام معاملات میں اسلام کے اوامر و نواہی کے مطابق عمل کرنے کے ذمہ دار اور جواب دہ ہونگے۔ ان کی گردن میں اس حلف کا تلاء ہوگا اور اس تلاء کی باگ ڈور جمہور کے ہاتھ میں ہوگی۔

(۷) دفعہ ۲۷ کے ذریعے اب تک کے معمول پر مفسدے کا دوروازہ بند کر دیا گیا ہے کہ ایک غیر منتخب شخص وزارتِ عظمیٰ پر لاکھڑا کیا جائے اور وہ وزارت کی تشکیل کرے، نیز لازم قرار پایا کہ وزیر اعظم اپنی نامزدگی کے بعد دوبارہ کے اندر اندر فیصلہ اعتماد حاصل کرنے کے لیے پارلیمنٹ کا اجلاس طلب کرے۔ گویا اب یہ پہلے عہدہ، بعد میں انتخاب کا اٹاٹا مولانا نہ چل سکے گا۔

(۸) اسی طرح دفعہ ۲۸ کے ذریعے کسی غیر منتخب شخص کے لیے وزارت یا پارلیمنٹری سکرٹری کے عہدے پر آنے کا بھی سدباب کر دیا گیا ہے۔

(۹) دفعہ ۲۲ کی شق (۲) میں ایوان نمائندگان واحدہ جات کے لیے، دفعہ ۲۸ کی شق (۲) میں ایوان دقاتی کے لیے اور دفعہ ۱۰۲ میں ایوان واحدہ جات کے لیے کسی شہری کے ناقابل انتخاب ہونے میں یہ حیثیت مجرم اس کے سزا یافتہ ہونے کی جو عمومی علت مذکور تھی، اب حسب مطالبہ اس میں جرم کے اخلاقی نوعیت رکھنے کی تحدید کر دی گئی ہے۔

یعنی جو لوگ کسی سیاسی جرم کی وجہ سے سزا یافتہ ہونگے ان کو یہ دفعہ انتخاب کے لیے نااہل نہ قرار دے سکے گی۔

(۱۰) دفعہ ۵۴ نے لازم کر دیا ہے کہ عمومی یا ضمنی انتخاب جب واجب ہو جائے تو اسے جلد از جلد منعقد کیا جائے گا اور کسی حالت میں وقت معین سے چھ ماہ سے زیادہ تاخیر نہ کی جائے گی نیز دفعہ ۵۵ کی شق ۳ میں یہ بھی قرار دیا گیا ہے کہ سال میں کم از کم چھ ماہ تک دونوں ایوان منعقد ہونے لگیں شق ۲ کی رو سے ان کے ہر دو اجلاس کے درمیان چھ ماہ سے زائد کا وقفہ بھی نہیں ہوگا یہی صورت دفعہ ۱۰۹ میں واحدہ جات کے ایوانوں کے بارے میں قرار پائی ہے۔

ان دفعات نے اس غیر جمہوری معمول کا دروازہ بند کر دیا ہے کہ انتخابات کو موخر کر کے یا پارٹیشن کے اجلاس کو دیر تک ملتوی رکھ کر چند افراد اپنی حکومت جمانے رکھیں۔

دستوری رپورٹ کے پاس شدہ حصے کے یہ وہ اجزاء ہیں جو عوام کی دستوری جدوجہد کی کامیابی کے شاہد ہیں۔

اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ اس حصے میں فراری ذمہ داری نے اپنا کیا پارٹ ادا کیا ہے۔ اس سلسلے میں اہم ترین مسئلہ کتاب و سنت کی حدود سے مالی معاملات سے تعلق رکھنے والی قانون سازی کے ایشنا کا ہے۔

باب سوم کی دفعہ ۳ تا ۷ کے ذریعے قانون سازی میں شریعت اسلامیہ سے انحراف کا دروازہ بند کرنے کے بعد دفعہ ۸ کے ذریعے ایک ایسا چھوڑا دروازہ کھول لیا گیا ہے کہ زندگی کے بڑے

بڑے اہم اور وسیع الاثر مسائل سے تعلق رکھنے والے قوانین کے قافلے کے قافلے اس سے گزر سکتے ہیں اور سپریم کورٹ ان کو روک نہیں سکتی۔

افسوس ہے کہ اس معاملے میں نو من بعض الکتاب و نکفر ببعض کی ایک ایسی افسوسناک مثال پیش کی گئی ہے کہ جس پر دنیا کے ہر گوشے میں مذاق اڑایا گیا ہے۔ صورت کچھ ایسی ہے جیسے کوئی شخص کہے کہ میں نے اسلام قبول کیا اور ہر معاملے میں خدا اور رسول کا حکم سرائیکھوں پر، لیکن میری جیب، میری تجوری، میرے کاروبار، میرے کارخانے اور میری زمینداری کے مسائل میں خدا و رسول کو مداخلت کرنے کا حق نہ ہوگا۔ وہی بات کہ "ذرمی طلبی سخن دریں است!"

دستور سازی کے ابتدائی دور ہی میں یہ عذر سامنے لایا گیا تھا کہ چونکہ مالی معاملات پیچیدہ ہیں اور فنانس اور بینکنگ کا نظام جس طرز پر چل رہا ہے اسے یکایک بدلا نہیں جاسکتا، نیز غیر ملکی مالی روابط کو نئی بنیادوں پر استوار کرنا ایک مشکل کام ہے، لہذا اس کے لیے مہلت چاہیے۔ اس عذر کے جواب میں ہم نے حسب ذیل امور تقریر و تحریر اور گفتگوؤں کے فیصلے بار بار پیش کئے:-

آہل یہ کہ جہاں تک بین الاقوامی مالی روابط کا تعلق ہے، اسلام پر عمل پیرا ہونے میں رکاوٹوں کا حامل ہونا ایک اضطراری صورت ہے جب تک ہم اس اضطراری صورت پر قابو نہ پالیں، چارونا چار گوارا کریں گے۔ لیکن داخلی مالی تنظیم کو جو ہمارے اپنے بس میں ہے ہم بلا تاخیر اس کو بدلنے کا آغاز کر دیں۔ دوم یہ کہ سوڈ پر چلنے والا بینکنگ سسٹم جو سرمایہ دارانہ نظام فاسد کی ریڑھ کی ہڈی ہے، اسے ادھیر کر کے طرز پر استوار کیا جاسکتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ پراویڈنٹ فنڈ، انشورنس اور فرسٹ جاتی نظام کو نئی شکل دی جاسکتی ہے۔ اس کے لیے ہم نے اپنے ٹریچر میں بھی اور اپنے خطابات میں بھی ایک نئے بینکنگ سسٹم کا تصور پیش کیا ہے۔

سوم یہ کہ داخلی مالی تنظیم کو بدلتے میں فی الواقع کچھ نہ کچھ مدت درکار ہے کہ جس مدت میں ایک تیز رفتار عملی منصوبے کے تحت تبدیلیاں مکمل کی جاسکیں۔ اس کے لیے ہماری طرف سے چند سال کی مدت پیش کی گئی تھی، اور اس سے کچھ زیادہ بھی گوارا کی جاسکتی تھی۔

لیکن ان باتوں پر غور و خوض کیا گیا، نہ اس سچپدگی کے حل کے لیے جدید مالیات اور اسلامی مالیات کے ماہرین کے سر جوڑ کر بیٹھنے اور مختلف عناصر کا تعاون حاصل کرنے کا اہتمام کیا گیا بلکہ ہمارے دستور ساز تماشے اپنے غدر کا کھونٹا گاڑ کے بیٹھ رہے۔ چنانچہ وہ آج تک بالکل اندھیرے میں ہیں۔ نہ ان کو اسلام کے مالیاتی اصولوں کا علم ہے، نہ ان اصولوں پر ایمان ہے اور نہ ان کے مطابق تبدیلی پیدا کرنے کا ولولہ ہے۔

چنانچہ پہلی دستوری رپورٹ میں مالیاتی مسودہ ہائے قانون کو غیر معین عرصے کے لیے کتاب و سنت سے آزاد کر دیا گیا۔

اس پر پھر برابر توجہ دلائی جاتی رہی کہ مطلوبہ تبدیلی کے لیے مدت معین طے ہونی چاہیے تاکہ اسلام کا قانون مالیاتی مسودہ ہائے قانون کو بھی اپنے تخت لے سکے۔

لیکن نئی دستوری رپورٹ میں پہلے سے بدتر صورت اختیار کی گئی ہے، اور اب :-

۱۔ مالیاتی مسودہ ہائے قانون کی تعریف اتنی وسیع کر دی گئی ہے کہ بنکنگ، انشورنس، پرائیویٹ فنڈ، قرضہ جات، اور دیگر تمام ایسے معاملات سے تعلق رکھنے والے مسودہ ہائے قانون جو موجود اقتصاد، مالی اور قرضہ جاتی نظام پر اثر انداز ہوتے ہوں، دفعہ ۳ کی زور سے بالاتر رہیں گے۔

۲۔ ۲۵ سال تک ان مالی مسودہ ہائے قانون کو کتاب و سنت کی حدود میں لانے کے لیے سرے سے کوئی سعی و تدبیر کرنا از روئے دستور طے نہیں ہے۔ ۲۵ سال کے بعد بھی محض ایک کمیشن بٹھانے کا فیصلہ ہوا، اور بس!

اس کے معنی یہ ہوئے کہ ملک کے معاشی اور مالیاتی ڈھانچے پر اثر انداز ہونے والے کسی قانون کو سپریم کورٹ میں مخالف کتاب و سنت ہونے کی بنیاد پر کم سے کم ۲۵ سال تک تو بالکل ہی زیر بحث نہیں لایا جاسکتا۔ اور ۲۵ سال کے بعد کتنی مدت میں ایسی تبدیلیاں ہو سکیں گی جو مالیاتی مسودہ ہائے قانون کو کتاب و سنت کے تحت لے آئیں ان کے بارے میں یہ دستور کوئی ضمانت نہیں دیتا۔

مالیاتی مسودہ ہائے قانون کی جو تعریف کی گئی ہے اس کی حدود اتنی وسیع ہیں کہ جاگیرداری، زمینداری، وراثت، ٹیکس، تنخواہوں اور معاوضوں کے نظام، تخت کا رول کے معاوضوں کے مسائل وغیرہ میں سے کوئی بھی ان حدود سے باہر نہیں رہتا یعنی اسلام مجوزہ اسلامی دستور کے تحت اس ملک کی معاشی اصلاح کے لیے کوئی مداخلت کرنے کا دستوری حق نہیں رکھتا۔ ملک کے حکمراں جب جو کرم جس طرح کرنا چاہیں کرتے ہیں، خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی ہدایات دم بخود کھڑی دیکھتی رہیں گی۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ موجودہ مالیاتی اور معاشی نظام کے تمام مفاسد و مظالم اسلامی دستور اور اسلامی نظام کی "برکات" میں شمار ہونگے۔ اور ایک سرمایہ دارانہ و جاگیر دارانہ نظام اسلامی دستور کی عین سرپرستی میں سالہا سال چلتا رہے گا۔ اس کا نتیجہ بجز اس کے کیا ہو سکتا ہے کہ خود اسلام بدنام ہو اور ملک کے عوام معاشی زندگی کے مسائل کے حل کے لیے اپنے آپ کو آہستہ آہستہ کمیونزم کے نظام تکر و عمل کی گود میں جا ڈالیں۔

یہ کھلا کھلا فرار جمہور کے لیے قابل برداشت نہیں ہے!

ہائے دستور ساز بزرگوں اور ہائے ملک کی حکمراں پارٹی کے اکابر میں اگر فی الواقع اخلاص کا فرما ہے تو صحیح راہ عمل یہ ہے کہ وہ نفاذ دستور کے ساتھ ہی ساتھ ایک خاص کمیشن (مع ایک ریسرچ انسٹیٹیوٹ) بٹھانے کا فیصلہ کریں جو ایک مدت معین میں مالیاتی نظام کی تبدیلی کا پانچ سالہ یا دو سالہ عملی منصوبہ پارلیمنٹ کے سامنے پیش کرنے پر مامور ہو اور پارلیمنٹ بھٹ کے بعد اسے منظور کر کے پانچ سال کے ایک یا دو یا تین منصوبوں کے تحت مطلوبہ تبدیلی کو کسی مدت معین میں پورا کرنے کا فیصلہ کرے۔

اس موقع پر ہم ایک بار پھر ان حضرات کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ موجودہ معاشی اور مالیاتی ڈھانچہ ایک ایسی اہل اور ناگزیر مصیبت نہیں ہے کہ جس میں کوئی تبدیلی پیدا کرنا ناممکن تصور یا ممکن ہو اور نہ یہ کوئی ایسی مقدس حقیقت ہے کہ اس کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے آدمی کے اعصاب لرز جائیں۔ دنیا کے کچھ انسانوں نے اپنی ضروریات، اپنے حالات اور اپنے نظریات کے تحت اسے برپا کر کے (باقی صفحہ پر)